

حضرت العلام مولانا حافظ محمد صاحب گوندلی

دوام حشر

حدیث کے ماننے سے قرآن پر عمل کرنے میں خلل واقع نہیں ہوتا

جب عبادت کا معنی واضح ہو گیا تو اب امور مذکورہ کا فیرواد ذکر کر کے اس پر کچھ لکھتے ہیں۔
۱۔ عبادت کا تعلق راہ راست معاملات سے ہے۔

جب ہم واضح کہ چکے ہیں کہ اصل میں عبادت اس انتہائی خضوع کا نام ہے جس میں ایک خاص اعتقاد کی ضرورت ہے پس عبادت کا معاملات کے ساتھ براہ راست تعلق نہیں ہوگا اور قرآن مجید نے بھی معاملات کو عبادت سے الگ ذکر کیا ہے:

فَمَا خَلَّكَ مِنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ مَا أَرِيدُ مِنْهُمْ مَشْرَئًا قِيًّا وَمَا أَرِيدُ أَنْ يُخْلِصُونِ (الذاریات: ۱۷)

میں نے جن اور انسان کو صرف عبادت کے لیے بنایا ہے۔ میں نے

ان کو رزق کمانے (یعنی ذرائع معیشت، صنعت حرفت کاشتکاری، تجارت اور ملازمت) کے لیے نہیں بنایا اور نہ یہ چاہتا ہوں کہ وہ مجھے کھلائیں۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ معاملات حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ عبادت ایک اور چیز ہے جو معاملات سے بھی داخل ہوتی ہے۔ بحث اس امر میں ہے

کہ عبادت کا تعلق براہِ راست معاملات سے ہے یا نہیں؟ پس صحیح بات یہی ہے کہ عبادت کا تعلق براہِ راست معاملات سے نہیں بخلاف ان تعظیمی امور کے جن کو نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، ذکر، اذکار وغیرہ کہتے ہیں۔ یہ امور براہِ راست عبادت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان امور میں ریاء ہونہیہ باطل ہو جاتے ہیں کیونکہ عبادت میں اخلاص کا ہونا ضروری ہے۔ اسی طرح اگر کوئی عبادت کسی دنیوی منفعت کو ملحوظ رکھ کر کی جائے، تو بھی وہ باطل ہو جاتی ہے بخلاف معاملات کے، اگر بیع، تجارت اور کاشتکاری میں کوئی شخص صرف مفادِ دنیوی کا لحاظ رکھے تو یہ چیزیں باطل نہیں ہوتیں۔ ان دنیوی معاملات میں عبادت ایک عارضی چیز ہے۔ یعنی ان باتوں کا اصل اور ہے اور عبادت ان میں عارضی ہے۔ عبادت ان میں اس طرح عارضی ہوتی ہے کہ ان میں حلال و حرام کا خیال رکھا جائے۔ اس امر کا خیال رکھنا کہ یہ حلال ہے یا حرام۔ یہ بات ان میں عبادت ہے اور ان کو دنیوی مفاد کی بناء پر کرنا اور طرح طرح کی بدتوں سے عقل سے کام لے کر بنانا یا کرنا عبادت نہیں بلکہ دنیوی مشغلہ ہے۔

۴۔ یہ کہنا کہ عبدِ عہدیت عبادت کے معنی میں قانونِ خدا و مہدی کی اطاعت اور محکومی ہے عبادت کا پورا معنی نہیں۔ کیونکہ غیر اللہ کی عبادت ہمیشہ منع رہی ہے جیسا کہ قرآن میں ہے:

وَاَسْأَلُكُمْ مِّنْ اَمْرِ سَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ مَّا سَلْنَا اَجْعَلْنَا مِنْ دُونِ الرَّحْمَنِ
الْهَمَةَ يَفْعَلُوْنَ (مذخرف: ۵۴)

پہلے رسولوں سے پوچھو کیا ہم نے رحمت کے سوال سے خدا بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے۔

اور اطاعتِ غیر اللہ کے لیے ثابت ہے۔ جبرائیل کے متعلق ”مطاح ثمر“ وار دہوا ہے۔ عالمِ ملکوت میں اس کی اطاعت ہوتی ہے اور رسولوں کے متعلق فرمایا ہے

وَمَا اَمَّا سَلْنَا مِنْ مَّا سُوِيَ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (نساء: ۶۴)

ہم نے جو رسول بھیجا اس کی اطاعت کا حکم دیا۔

پس ثابت ہوا کہ اطاعتِ عبادت کی دنیوی حقیقت نہیں بلکہ طاعتِ عبادت

بننے کے لیے اور باتوں کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ ان قیود کی بنا پر طاعت کبھی عبادت ہوتی ہے۔ اگر ان قیود پر مشتمل ہو ورنہ طاعت عبادت نہیں ہوتی۔

۳۔ یہ کہنا کہ یہ تصور کہ عبادت کا مفہوم خدا کی پرستش (پوجا پاٹ) ہے۔ مذہب کا پیداکردہ ہے دین کا نہیں۔ بے حقیقت ہے کیوں کہ عبادت کا دینی مفہوم جس کا ذکر ہو چکا ہے جس طرح بعض طاعت پر صادق آتا ہے۔ اسی طرح پرستش (پوجا پاٹ) پر بھی صادق آتا ہے بلکہ طاعت بھی اسی وقت عبادت بنتی ہے۔ جب پرستش کے حکم میں داخل ہو جائے۔ ہر طاعت عبادت نہیں۔ جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ بلکہ طاعت اس وقت عبادت کہلاتی ہے۔ جب فصوص اور نذال کے لیے ہو۔ اس اعتقاد کو لیے ہوئے، جس کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں اور اس وقت طاعت پرستش (پوجا پاٹ) بن جاتی ہے۔ پس عبادت کی حقیقت پرستش ہوئی نہ مطلق طاعت۔

۴۔ جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ معاملات حقیقت میں عبادت نہیں بلکہ عبادت ان میں حلال و حرام کے خیال سے پیدا ہوتی ہے۔ تو قوم شیب نے جو کلام حضرت فصیب سے کیا تھا اس کا یہ مطلب نہیں۔ ناز ایک عبادت ہے اس کا معاشی نظام سے کیا تعلق۔ بلکہ یہ کلمہ انہوں نے بطور استنزار کہا تھا۔ ان کا مطلب یہ تھا کہ تم ناز پڑھتے ہو کیا ناز تم کو یہ سکھاتی ہے کہ ہم خیر اللہ کی پرستش چھوڑ دیں اور اپنے مالوں میں حسب منشا تصرف نہ کریں۔ تم بڑے علم والے اور ہدایت یافتہ۔ ان کو نازی، علم والا اور ہدایت یافتہ بطور استنزار کہتے تھے۔ کیونکہ ان کے ہاں خیر اللہ کی عبادت عین ایمان تھا اور مالوں میں حسب منشا تصرف عین عقل مندی پس اس نیک اور عقل مندی کے کام سے روکنا برا ہے۔ یعنی تم نازی بن کر ایسا برا کام کرتے ہو کیونکہ ان کے نزدیک خیر اللہ کی عبادت کو چھوڑنا برا تھا۔ اسی طرح مالوں میں نفع حاصل نہ کرنا بھی برا کام تھا۔ یہ اسی طرح ہے جیسے کسی نیک نازی سے کوئی چوری یا بدکاری کا کام ہو جائے تو ملامت کرنے والے لوگ اس طرح کہیں، کیا تم کو ناز چوری سکھاتی ہے یا بدکاری کا حکم دیتی ہے، اگر حقیقت میں نازی کو یہ سکھاتی ہے تو اصل بات یہی تھی جس

کا وہ انکار کرتے تھے یعنی نماز واقعی برے کاموں سے روکتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :-

إِنَّ الْمَلَائِئَةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (عنکبوت: ۱)

بے شک نماز بے حیائی اور منکر سے روکتی ہے۔

مگر شعیب کی قوم ان امور کو منکر خیال نہیں کرتی بلکہ ان کے ہاں یہ کام معروف (ایٹھی) ہیں داخل تھے اس لیے الزام دیتے تھے۔

پھر قوم شعیب نے تو صرف صلاۃ کا ذکر کیا ہے جو عبادت کا ایک فرد ہے۔ صرف یہی عبادت نہیں۔ جیسے انسان حیوان کا فرد ہے عین حیوان نہیں۔ پس نماز سے مراد صرف عبادت نہیں اور عبادت کے متعلق قوم شعیب کے خیال کی اپنی طرف سے ترجمانی کرتا کہ ان کے نزدیک عبادت کا تعلق معاملات سے کوئی نہیں تھا اور نہ ان کا یہ خیال غلط تھا یہ سب بے دلیل ہونے کی وجہ سے قرآن مجید کی تشریف ہے تفسیر نہیں۔

بالفرض اگر نماز کا معاملات سے تعلق نہ ہو تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ مطلق عبادت کا بھی معاملات سے تعلق نہ ہو کیوں کہ خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں ہوتی۔ پھر کفار کے ہاں تو لہو و لعب دین اور سیٹی اور تالیاں بجانا نماز تھا۔

مَا كَانَتْ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُمَآءً وَتَهْوِيَةً (الانفال: ۱)

بیت کے پاس کفار کی نماز صرف سیٹی اور تالیاں بجانا نماز تھا۔

اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَهْوًا وَلَعِبًا (الاعراف: ۱)

کفار نے اپنا دین شغل اور کھیل کو بنا رکھا ہے۔

پھر تعلق یا عدم تعلق کی بحث میں الجھنے کی ضرورت ہی نہیں کیونکہ معنی بالکل واضح ہے کہ نمازی ہو کر برے کام کی ترغیب دیتے ہو گویا تم کو یہ نماز برا کام سکھاتی ہے۔

قرآن مجید اور حدیث کا تعلق ہم بیان کر چکے ہیں اور حدیث کے علوم کے متعلق شاہ

حدیث کا ایک علم علم تفسیر اور علم استنباط ہے۔

علم تفسیر اور علم استنباط میں یہ فرق ہے کہ علم تفسیر میں قرآن کا بیان ہوتا ہے جس سے قرآن کا مطلب واضح ہو جاتا ہے اور علم استنباط میں قرآن سے مسائل اخذ کرنے کا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ مرفوع روایت میں قرآن مجید کی تفسیر دو صورتوں میں ہے۔ ایک صورت یہ ہے کہ قرآن کے مسائل کی وضاحت ہو یعنی عام کی تخصیص مطلق کی تقیید، خاص کو عام بنانا اور متقید کا حکم مطلق میں لے جانا اور قرآن کے ان الفاظ کی تشریح جو اصل معنی سے نقل ہو کر دوسرے شرعی معنی میں مستعمل ہوئے ہیں۔ اور بعض احکام کے شرائط، مانع اور اسباب کا بیان ہو۔ اس صورت میں حدیث کا اکثر حصہ قرآن کی تفسیر ہے۔ احکام کا اکثر حدیثیں اسی قسم کی ہیں۔ مثلاً قرآن مجید میں ہے جب نماز کے لیے کھڑے ہو تو اپنا منہ اور ہاتھ دھو لیا کر۔ سر کا مسح کر۔ پاؤں کو شخوں تک۔ حدیث میں اس کی تفسیر اس طرح ہے کہ منہ دھونے سے پہلے نیت کرے۔ اور بسم اللہ پڑھے۔ پہلے دونوں ہتھیلیوں کو دھوئے۔ پھر کلی کرے اور ناک میں پانی ڈال کر صاف کرے۔ پھر منہ دھوئے۔ پھر ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے۔ پھر پانی لے کر سر کا مسح کرے اور سامنے ہاتھ کان کے اندر باہر کا بھی مسح کرے۔ پھر شخوں تک پاؤں دھوئے۔ یہ سب کام کم از کم ایک بار اور زیادہ سے زیادہ نہیں بار کرے۔ یہی حال نماز روزے، حج، زکات، نکاح، بیع وغیرہ کا ہے۔ قرآن میں جو مطلق حکم تھا اس کی تقیید حدیث میں ہے۔ صلوٰۃ جو لغوی معنی سے منتقل ہو کر دوسرے معنی میں اندر دوسرے شریعت مستعمل ہے اس شرعی معنی کی تفصیل حدیث میں ہے۔ یہی اس کی تفسیر اور بیان ہے۔

اور بعض علماء نے جو دھوئے کیا ہے کہ صلاۃ کی تمام حدیثیں قرآن ہی سے مستنبط ہیں۔ اس استنباط سے مراد ان کی وحی باطنی ہے جیسا کہ ہم اس کا مفصل بیان کر چکے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں مشترک وغیرہ کی بنا پر کچھ

اہام ہوں تو اس کی وضاحت کرنا یا لغت میں غزابت ہو تو اس کی تشریح کرنا۔ یا کسی آیت کا شان نزول بیان کرنا یا کسی آیت میں کسی واقعہ کی طرف اشارہ ہو تو اس کا ذکر کرنا۔ کسی مہم کی تعیین کرنا۔ اگرچہ اس میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ قرآن فہمی اس پر موقوف نہیں مگر ان میں بعض چیزیں ایسی ہیں کہ قرآن کا مطلب ان کے بغیر واضح نہیں ہوتا۔

اگر پہلی صورت کو تفسیر میں شامل کیا جائے تو احادیث میں تفسیر کا حصہ بہت ہو جاتا ہے اگر صرف دوسری قسم کو تفسیر میں داخل کیا جائے تو اس صحت میں مرفوع روایت کا حصہ بہت کم ہو جاتا ہے پھر دوسرے اور پہلے حصہ میں اکثر وہ حدیثیں بھی آجاتی ہیں جن کا صرف آیت سے ایک قسم کا تعلق ہوتا ہے۔ اور عام طور پر دوسری قسم کی حدیثوں کو بھی محدثین کتاب التفسیر میں نقل کرتے ہیں۔ مجموعہ قرآن کے لحاظ سے بہت حقوڑی آیتوں کی تفسیر طرہ رہے۔

اگر کسی آیت کی تفسیر انحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صحیح طور پر ثابت ہو جائے تو وہ سب پر مقدم ہوگی۔ کیونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بہتر کوئی شخص قرآن کو نہیں سمجھ سکتا۔ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی آیت کی تفسیر ثابت نہ ہو پھر اگر صحابہ سے ثابت ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں:-

۱۔ ایسے الفاظ کی تفسیر جو جن میں لغوی معنی چھوڑ کر ایک شرعی معنی لیا گیا ہو تو اس صورت میں وہ تفسیر حجت ہے۔

۲۔ اگر ایسے الفاظ ہیں جو اپنے لغوی معنی میں مستعمل ہیں تو اس صورت میں وہ تفسیر اہل لغت کی تفسیر سے اعلیٰ درجہ کی مانی جائے گی بشرطیکہ اتفاقی ہو ورنہ اہل لغت کی طرف رجوع کیا جائے گا جس معنی کی تاہد لغت سے ہوتی ہو اس کو ترمیم ہوگی۔ اس کے بعد معانی و بیان اور دیگر علوم عربیہ سے قرآن کی تفسیر کی جائے گی، ان میں سے کسی کو بھی تفسیر بالراے نہیں کہا جائے گا۔ اگر اس کو تفسیر بالروایت کہا جائے تو بجا ہے۔

اگر تفسیر صرف مرفوع حدیث کا نام رکھا جائے تو صحابہ تابعین اور اہل لغت و

دیگر علوم و سیر کی مدد سے جو تفسیر کی جائے گی وہ تفسیر بالدرایت اور تفسیر بالبرای کے درمیان واسطہ ہوگی اور تفسیر بالبرای حرام ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

من قال فی القدان بن ایہ فلیتبعوا مقعداً من النساء (مشکوٰۃ)

جو قرآن میں اپنی رائے سے بات کرے وہ اپنا ٹھکانہ آگ میں بنائے۔

تفسیر کی وہ روایتیں جو بخاری و مسلم میں ہیں یا جن کو ائمہ نے صحیح کہا ہے۔ ان سے استشہاد کرنا درست ہے۔ امام احمد بن حنبل سے جو یہ مروی ہے کہ تفسیری حدیثیں ضعیف یا موضوع ہیں ان کی مراد اس سے ان مذکورہ روایات سے ایسی روایتیں مراد ہیں جن کی سندوں میں ضعیف یا کوئی وضاح راوی ہو۔ ساری روایتیں مراد ہیں کیونکہ ان کی اپنی کتاب مسند احمد میں بھی تفسیری روایات موجود ہیں اور امام احمد نے یہ بھی فرمایا ہے کہ میں نے اس کتاب مقبول اور مردود کے لیے ایک معیار بنایا ہے۔ اگر ان کے اس دعوے پر اعتراض ہوئے ہیں مگر یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ جب وہ خود ان تفسیری روایات کو جو ان کی کتاب میں درج ہیں صحیح تسلیم کرنے میں تو ان کے اس قول (تفسیری روایتیں ضعیف ہیں یا موضوع) کا مطلب وہی ہونا چاہیے جو ہم نے بیان کیا ہے اور یہ حدیثیں اس کلیہ سے مستثنیٰ ہونی چاہئیں۔

منہج اُیّت اور اسلام

علامہ احسان علی ظہیر کے خاراٹگانے قلم سے
اردو میں منہج اُیّت کے اپنی ہتھکنڈے کتاب
قیمت: ۴۰ روپے صرف

ادارہ ترجمان السنہ، ایک روڈ انارکلی لاہور